Policy Research Journal
ISSN (E): 3006-7030 ISSN (P) : 3006-7022 Volume 4, Issue 3, 2026

جدید فلاحی ریاست کا تصور: دورِ نبوی ﷺ اور خلافتِ راشدہ کے نظامِ کفالت کا ایک تقابلی جائزہ

Amna Tariq[*1], Muhammad Zahid ul Hassan[2], Dr. Wajid Ali[3]

[*1,2]*M.Phil. Scholar, Department of Islamic Studies, The Superior University, Lahore, Pakistan*
[3]*Assistant Professor, Department of Islamic Studies, The Superior University, Lahore, Pakistan*

[*1]tariqamna095@gmail.com. [2]muhammadzahidulhassan69@gmail.com, [3]wajidasadi@gmail.com

DOI: http://doi.org/10.5281/zenodo.21552459

Keywords
Welfare State, Islamic Economics, Bayt al-Mal, Social Security, Prophetic Era, Rightly Guided Caliphate, Wealth Distribution.

Article History
Received: 05 January 2026
Accepted: 18 February 2026
Published: 04 March 2026

Copyright @Author
Corresponding Author: *
Amna Tariq

Abstract

﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ﴾

"So that it may not merely circulate between the wealthy among you ".[1]

Divine guidance establishes a socio-economic order where wealth distribution is a moral imperative, not just a political tool. The Prophet Muhammad (صلى الله عليه وسلم) translated this vision into a living reality in Madinah. He built a system where the state took direct responsibility for the marginalized, framing welfare as an act of worship rather than state benevolence. Modern political thought champions the concept of the "welfare state," aiming to secure basic human needs through taxation and social security. But this secular model often strips away human dignity. It treats individuals as economic units within a capitalist machinery. We can see a stark contrast when we examine early Islamic history. Through a qualitative and historical comparison, this research explores the welfare mechanisms of the Prophetic era and the Rightly Guided Caliphate alongside contemporary Western models. The Islamic approach integrates material sufficiency with spiritual accountability.

﴿وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾

"And in their wealth there is an acknowledged right for the beggar and the deprived.2 ".

Here, welfare is a divine right of the poor, extracted without bureaucratic humiliation. The study investigates institutions like Zakat, Waqf, and the Bayt al-Mal, demonstrating how they structurally eradicate poverty rather than creating long-term dependency. Western models often struggle with elite capture, heavy taxation, and budget deficits. The classical Islamic framework, however, decentralizes wealth and links economic justice to eternal salvation. Implementing these timeless principles in modern Muslim societies requires urgent administrative and legal restructuring. A truly just society must look beyond mere economic indicators and revive the prophetic model of compassionate, accountable governance.

تعارف

انسانی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ریاست کا تصور اور فرد کے ساتھ اس کا تعلق مسلسل ارتقائی منازل طے کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ قدیم ادوار میں انسان جنگلوں اور غاروں کی زندگی ترک کر کے جب قبائلی نظام میں داخل ہوا تو طاقت ہی بقا کی واحد ضمانت تھی۔ طاقتور قبیلے کمزوروں کا استحصال کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ جب انسانی شعور بیدار ہوا اور معاشرتی ڈھانچے پیچیدہ ہونے لگے تو ریاستوں کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا۔ یونانی مفکرین جن میں افلاطون اور ارسطو نمایاں ہیں، انہوں نے ریاست کو ایک اخلاقی ادارہ تو قرار دیا مگر ان کے تصورات زیادہ تر نظریاتی اور اشرافیہ کے مفادات تک محدود تھے۔ قرونِ وسطیٰ میں ریاستوں کا بنیادی مقصد محض طاقت کا حصول، سرحدوں کی توسیع اور حکمران طبقے کا تحفظ سمجھا جاتا تھا۔ عوام کی حیثیت رعایا کی تھی جن کا بنیادی مصرف بادشاہوں کو محصولات ادا کرنا اور ان کی چھیڑی گئی جنگوں میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا تھا۔ ریاست کی جانب سے عوام کی فلاح و بہبود، تعلیم، صحت یا معاشی تحفظ کا کوئی باضابطہ اور ادارہ جاتی تصور سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔

سترہویں اور اٹھارویں صدی میں یورپ میں فکری بیداری کی تحریکیں ابھریں۔ جان لاک، تھامس ہابز اور ژاں ژاک روسو جیسے مفکرین نے عمرانی معاہدے کا نظریہ پیش کیا۔ ان فلسفیوں کے نزدیک ریاست کا وجود انسانوں کے باہمی معاہدے کا نتیجہ تھا۔ اس کے باوجود ریاست کی بنیادی ذمہ داری محض جان و مال کا تحفظ اور بیرونی حملوں سے دفاع تک محدود رہی۔ ریاست ایک نگران یا پولیس کا کردار ادا کرتی تھی۔ انیسویں صدی کے وسط تک پہنچتے پہنچتے انسانی معاشروں کو یہ احساس ہونے لگا کہ ریاست محض امن و امان قائم رکھنے والا ادارہ نہیں رہ سکتی۔ معاشی اور سماجی ڈھانچوں کی پیچیدگی نے یہ تقاضا کیا کہ ریاست اپنے شہریوں کے سماجی تحفظ کی بھی ضمانت فراہم کرے۔ اس فکری تبدیلی نے جدید سیاسیات میں فلاحی ریاست کے تصور کو جنم دیا۔ یہ تصور بیسویں صدی میں مغربی دنیا میں ایک مقبول ماڈل بن کر ابھرا۔

جدید فلاحی ریاست کا مغربی تصور بنیادی طور پر صنعتی انقلاب کے بطن سے پیدا ہونے والے معاشی استحصال، طبقاتی کشمکش اور ہوشربا غربت کے ردعمل کے طور پر پروان چڑھا۔ یہ ایک سیکولر اور خالصتاً مادی تصور ہے۔ اس کا اولین مقصد شہریوں کو کم از کم معیارِ زندگی کی ضمانت فراہم کرنا اور انہیں معاشی خطرات جیسے بیماری، بڑھاپا، اور بے روزگاری سے بچانا ہے۔ مغربی ماڈل کے برعکس جب ہم اسلامی تاریخ کے اوراق پلٹتے ہیں تو ایک حیرت انگیز حقیقت سامنے آتی ہے۔ اسلام نے چودہ سو سال قبل ریاستِ مدینہ کی صورت میں ایک ایسی مثالی اور ہمہ گیر فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی تھی جس کے مقاصد جدید مغربی تصورات سے کہیں زیادہ وسیع، متوازن اور پائیدار تھے۔

اسلامی نظامِ کفالت انسان کی محض مادی ضروریات کی فراہمی تک محدود نہیں رہتا۔ یہ ایک ایسا جامع نظام ہے جو انسان کی روحانی، اخلاقی اور مادی دونوں جہتوں کا بیک وقت احاطہ کرتا ہے۔ دورِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور خلافتِ راشدہ کا نظامِ کفالت ایک ایسا الٰہی اور انسانی ہمدردی پر مبنی ماڈل پیش کرتا ہے جہاں غربت کا خاتمہ، یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی، اور معذوروں کی کفالت کو ریاست کی بنیادی اور اولین ذمہ داری تسلیم کیا گیا۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے زکوٰۃ، عشر، صدقات اور بیت المال کے ذریعے ایک انتہائی مستحکم ادارہ جاتی ڈھانچہ قائم کیا گیا۔ اس مقالے کا بنیادی مقصد جدید فلاحی ریاست کے تصورات کا دورِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور خلافتِ راشدہ کے نظامِ کفالت کے ساتھ ایک عمیق اور تقابلی جائزہ پیش کرنا ہے۔ ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ اسلامی فلاحی نظام اپنی اخلاقی بنیادوں، معاشی حکمتِ عملی اور انسانی وقار کے تحفظ کے لحاظ سے جدید مادی تصورات پر کیونکر برتری رکھتا ہے۔ عصرِ حاضر کے گھمبیر معاشی و سماجی بحرانوں کے حل کے لیے یہ تاریخی ماڈل آج بھی پوری طرح قابلِ عمل اور مشعلِ راہ ہے۔

جدید فلاحی ریاست کا مغربی تصور

فلاحی ریاست کا جدید تصور بنیادی طور پر مغربی سیاسی اور معاشی فکر کی پیداوار تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس تصور کی گہرائی کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تاریخی پس منظر اور ان محرکات کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے جنہوں نے ایک محدود نگران ریاست کو ہمہ گیر فلاحی ریاست کے سانچے میں ڈھلنے پر مجبور کیا۔

انیسویں صدی میں یورپ میں رونما ہونے والے صنعتی انقلاب نے معاشی پیداوار کی دنیا میں ایک زبردست تہلکہ مچا دیا۔ کارخانوں اور مشینوں نے انسانی محنت کی جگہ لینا شروع کر دی۔ اس انقلاب نے مادی ترقی تو دی لیکن معاشرے میں ایک گہری طبقاتی خلیج بھی پیدا کر دی۔ کلاسیکی سرمایہ داری کے بانیوں بالخصوص ایڈم سمتھ نے عدم مداخلت کا اصول پیش کیا۔ اس اصول کے تحت ریاست کو معاشی معاملات سے مکمل طور پر دور رہنے کی تلقین کی گئی اور سب کچھ آزاد منڈی کی قوتوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ اس بے لگام آزادی کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرمایہ داروں نے مزدور طبقے کا بدترین استحصال شروع کر دیا۔ فیکٹریوں میں کام کرنے کے حالات انتہائی غیر انسانی تھے۔ بچوں اور عورتوں سے کم اجرت پر اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے مشقت لی جاتی تھی۔ اس معاشی ظلم اور ہولناک عدم مساوات کے خلاف رد عمل پیدا ہونا فطری امر تھا۔ کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز نے کمیونسٹ مینی فیسٹو کے ذریعے اشتراکی تحریکوں کی بنیاد رکھی۔ ان تحریکوں نے مزدوروں کے حقوق کا نعرہ بلند کیا اور سرمایہ دارانہ ریاستی ڈھانچے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی دھمکی کی۔

اس بڑھتی ہوئی سماجی بے چینی، خونریز بغاوتوں کے خوف اور سیاسی عدم استحکام کو روکنے کے لیے جرمنی کے چانسلر اوٹو وان بسمارک نے انیسویں صدی کے اواخر میں دنیا کا پہلا سماجی انشورنس کا نظام متعارف کرایا۔ بسمارک کی حکومت نے بیماری، حادثات، اور بڑھاپے کی صورت میں مزدوروں کے لیے پینشن اور انشورنس کے قوانین وضع کیے۔ بسمارک کے اس اقدام کا مقصد مزدور طبقے کی فلاح سے زیادہ انہیں اشتراکی تحریکوں کے سحر سے دور رکھنا اور ریاست کے ساتھ ان کی وفاداری کو خریدا جانا تھا[3]۔

فلاحی ریاست کے تصور کو دوسری بڑی اور فیصلہ کن تقویت انیس سو انتیس کے عظیم معاشی بحران کے بعد ملی۔ وال سٹریٹ کے کریش ہونے کے بعد آزاد منڈی کی معیشت کا سارا سحر ٹوٹ گیا۔ کروڑوں لوگ رات و رات بے روزگار ہو گئے۔ فاقہ کشی اور معاشی تباہی نے سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ اس دور میں جان مینارڈ کینز جیسے ماہرینِ معاشیات نے یہ نظریہ پیش کیا کہ آزاد منڈی خود بخود روزگار کے مواقع پیدا نہیں کر سکتی۔ معاشی استحکام اور مکمل روزگار کے حصول کے لیے ریاست کا معیشت میں براہِ راست مداخلت کرنا ناگزیر ہے۔ ریاست کو چاہیے کہ وہ بڑے تعمیراتی منصوبے شروع کرے تاکہ لوگوں کو روزگار ملے اور مارکیٹ میں قوتِ خرید پیدا ہو۔

جدید فلاحی ریاست کا سب سے باقاعدہ، واضح اور جامع خاکہ دوسری جنگِ عظیم کے دوران برطانیہ میں پیش کی جانے والی بیورج رپورٹ کے ذریعے سامنے آیا۔ سر ولیم بیورج نے اپنی اس تاریخی رپورٹ میں معاشرے کے پانچ بڑے عفریتوں کی نشاندہی کی۔ ان میں غربت، بیماری، جہالت، گندگی، اور بے روزگاری شامل تھے۔ بیورج نے ان کے خاتمے کے لیے ایک جامع سماجی انشورنس کا نظام تجویز کیا۔ اس رپورٹ کی سفارشات پر عمل درآمد کرتے ہوئے برطانیہ میں نیشنل ہیلتھ سروس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ شہریوں کو پیدائش سے لے کر موت تک معاشی و سماجی تحفظ فراہم کرنے کی ریاستی ذمہ داری کا اصول باقاعدہ تسلیم کر لیا گیا[4]۔

جدید فلاحی ریاست کا یہ مغربی ماڈل بنیادی طور پر ٹیکس جمع کرنے کے نظام پر کھڑا ہے۔ ریاست امراء پر بھاری انکم ٹیکس عائد کر کے دولت کی تقسیمِ نو کرتی ہے۔ اس سرمائے کو صحت، تعلیم، بے روزگاری الاؤنس اور پینشن جیسی سماجی خدمات پر خرچ کیا جاتا ہے۔ نارڈک ممالک جن میں سویڈن، ناروے اور ڈنمارک شامل ہیں، آج کے دور میں اس ماڈل کی سب سے ترقی یافتہ شکل مانے جاتے ہیں۔ یہ ممالک اپنے شہریوں کو

اعلیٰ ترین سماجی سہولیات تو دیتے ہیں لیکن اس کے عوض دنیا کے بلند ترین ٹیکس بھی وصول کرتے ہیں۔ اس پورے مغربی ارتقاء پر نظر ڈالی جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ فلاحی ڈھانچہ کسی الہامی اخلاقیات کا نتیجہ نہیں بلکہ معاشی تباہی، طبقاتی کشمکش اور مزدوروں کی بغاوت کے خوف سے پیدا ہونے والی ایک دفاعی حکمتِ عملی ہے۔

اسلامی فلاحی ریاست اور مقاصدِ شریعت

جدید مغربی فلاحی ریاست کا فلسفہ خالصتاً مادی اور افادیت پسندانہ بنیادوں پر کھڑا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی فلاحی ریاست کی فکری اساس توحید، رسالت، اور آخرت کے ٹھوس عقائد پر استوار ہے۔ اسلام میں ریاست کوئی سیکولر یا لادینی ادارہ نہیں ہے جسے انسانوں نے محض اپنی مادی سہولت کے لیے تراشا ہو۔ ریاست دراصل ایک ایسا امانتی ڈھانچہ ہے جس کا مقصد زمین پر اللہ کی حاکمیت کا قیام اور بندوں کی دنیاوی و اخروی فلاح کو بیک وقت یقینی بنانا ہے۔

اسلامی ریاست میں حاکمیتِ مطلقہ کا واحد مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان اس کائنات میں بطورِ خلیفہ اللہ کے احکامات کا پابند ہے۔ حکمران عوام کے سامنے جوابدہ ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کے روبرو بھی جوابدہ ہیں۔ قرآنِ مجید نے اس تصورِ حاکمیت کو نہایت صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ

"فرمانروائی کا حق اللہ کے سوا کسی کو نہیں، اس کا حکم ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔"[5]

اسلامی فلاحی ریاست کا بنیادی وظیفہ مقاصدِ شریعت کا حصول ہے۔ شریعت محض سزاؤں یا عبادات کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ یہ انسانی زندگی کے مکمل تحفظ کا الٰہی ضابطہ ہے۔ جلیل القدر مسلم فقہاء بالخصوص امام غزالی رحمہ اللہ نے شریعت کے پانچ بنیادی مقاصد متعین کیے ہیں جن کا تحفظ ریاست کی اولین ذمہ داری ہے۔ یہ مقاصد دین، جان، عقل، نسل، اور مال کا تحفظ ہیں۔ امام غزالی ان مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَمَقْصُودُ الشَّرْعِ مِنَ الْخَلْقِ خَمْسَةٌ: وَهُوَ أَنْ يَحْفَظَ عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَنَفْسَهُمْ وَعَقْلَهُمْ وَنَسْلَهُمْ وَمَالَهُمْ

"مخلوق کے بارے میں شارع کا مقصود پانچ چیزیں ہیں: ان کے دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت۔"[6]

بعد ازاں امام شاطبی رحمہ اللہ نے ان مقاصد پر مزید تفصیلی کام کیا اور انہیں ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کے درجات میں تقسیم کیا۔ اسلامی فلاحی ریاست ان مقاصد کی تکمیل کے لیے ایک ایسا معاشی اور سماجی نظام تشکیل دیتی ہے جو عدل و انصاف، مساوات، اور اخوت کے سنہری اصولوں پر مبنی ہو۔ اسلام میں معاشی جدوجہد کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے لیکن دولت کو چند ہاتھوں میں سمٹنے سے سختی سے روکا گیا ہے۔ قرآنِ مجید کا یہ فرمان اسلامی معیشت کا بنیادی ستون ہے اور ہر دور کی اسلامی حکومت کے لیے ایک واضح معاشی ہدایت نامہ ہے:

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ

"تاکہ وہ (دولت) تمہارے مال داروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتی رہے۔"[7]

اسلامی نظامِ کفالت میں ضرورت مندوں کی مدد کرنا ریاست یا امراء کا کوئی احسان نہیں سمجھا جاتا۔ سرمایہ دارانہ نظام میں خیرات دینا ایک نیکی ضرور ہے مگر واجب نہیں۔ اسلام نے اسے غریبوں کا وہ پختہ شرعی حق قرار دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے امیروں کے مال میں مقرر کیا ہے:

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ

"اور ان کے اموال میں مانگنے والے اور محروم (نہ مانگنے والے محتاج) کا حق ہے۔"[8]

یہ قرآنی تصور انسانی وقار کا سب سے بڑا ضامن ہے۔ مستحق شخص جب ریاست یا معاشرے سے امداد لیتا ہے تو وہ اسے بھیک یا کسی کی ذاتی مہربانی نہیں سمجھتا بلکہ اپنا حق سمجھ کر وصول کرتا ہے۔ اس سے اس کی عزتِ نفس مجروح نہیں ہوتی۔ اسلام کا معاشی فلسفہ عدل کے ساتھ احسان پر بھی زور دیتا ہے۔ عدل کا تقاضا ہے کہ ہر شخص کو اس کی محنت کا پورا صلہ ملے، جبکہ احسان کا تقاضا ہے کہ جو لوگ کسی جسمانی، ذہنی یا معاشی مجبوری کے باعث روزی کمانے کے قابل نہیں رہے، معاشرہ انہیں اپنے کندھوں پر اٹھائے اور انہیں تنہا نہ چھوڑے۔

دورِ نبوی (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) میں نظامِ کفالت

ہجرتِ مدینہ کے بعد جب ریاستِ مدینہ کا قیام عمل میں آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انسانی تاریخ کی پہلی باقاعدہ اور ہمہ گیر فلاحی ریاست کی عملی بنیاد رکھی۔ مکہ کی زندگی میں مسلمانوں نے شدید ظلم و ستم سہا تھا۔ مدینہ آکر انہیں پہلی بار ایک ریاستی اور انتظامی ڈھانچہ میسر آیا۔ یہ ریاست محض کھوکھلے دعووں یا فلسفیانہ مباحث تک محدود نہیں تھی۔ اس ریاست نے چند ہی سالوں میں ایک ایسا عملی اور ادارہ جاتی نظامِ کفالت قائم کر کے دکھایا جس نے معاشرے کے ہر کمزور، محروم اور ضرورت مند فرد کو معاشی و سماجی تحفظ کے حصار میں لے لیا۔

دورِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں فلاحی نظام کا آغاز مواخات کے عظیم الشان معاہدے سے ہوا۔ مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمان اپنا تمام مال و اسباب، جائیدادیں اور کاروبار مکہ کے کافروں کے قبضے میں چھوڑ آئے تھے۔ مدینہ پہنچ کر مہاجرین شدید معاشی بحران کا شکار تھے۔ ان کے پاس نہ رہنے کو گھر تھا نہ پہننے کو مناسب لباس۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انصارِ مدینہ اور مہاجرینِ مکہ کے درمیان ایک ایسا روحانی اور معاشی رشتہ قائم کیا جس کی مثال انسانی تاریخ دینے سے قاصر ہے۔ اس معاہدے کے تحت انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے گھروں، جائیدادوں اور کاروبار میں برابر کا شریک کر لیا۔ تاریخِ عالم میں سماجی یکجہتی اور معاشی بحالی کی یہ بے نظیر مثال ہے۔ اس اقدام نے ریاست پر فوری مالی بوجھ ڈالے بغیر ایک بہت بڑے مہاجر طبقے کو باعزت معاشی تحفظ فراہم کر دیا۔

ریاستِ مدینہ کا فلاحی ڈھانچہ یک جہتی نہیں بلکہ کثیر الجہتی تھا۔ مسجدِ نبوی محض نماز پڑھنے کی جگہ نہیں تھی، یہ ریاست کا ایک متحرک سماجی، سیاسی اور فلاحی مرکز تھی۔ مسجد کے احاطے میں صفہ کے نام سے ایک اقامتی، تعلیمی اور فلاحی ادارہ قائم کیا گیا۔ جن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مدینہ میں کوئی گھر بار یا معاشی سہارا نہیں تھا، وہ اصحابِ صفہ کہلاتے تھے۔ ان کی رہائش اور خوراک کا بندوبست ریاست کی ذمہ داری تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ذاتی طور پر اصحابِ صفہ کی کفالت کا اہتمام فرماتے۔ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس کوئی تحفہ یا صدقہ آتا تو آپ سب سے پہلے ان ضرورت مند طلباء کی طرف بھیجتے۔ یہ دراصل دنیا کا پہلا سرکاری ہاسٹل تھا جہاں رہائش پذیر افراد دن رات دین کا علم سیکھتے اور معاشرے کی روحانی تربیت کرتے۔

یتیموں، بیواؤں اور لاوارثوں کی سرپرستی کو ریاستِ مدینہ کی بنیادی پالیسی کا حصہ بنایا گیا۔ عرب کے عہدِ جاہلیت میں یتیموں کا مال غصب کر لینا ایک عام رواج تھا۔ بیواؤں کو وراثت سے محروم کر کے انتہائی ذلت آمیز زندگی گزارنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس ظالمانہ رسم کا قلع قمع کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یتیم کی کفالت کرنے والے کو جنت میں اپنی رفاقت کی خوشخبری دی۔ ریاست کو بے آسرا افراد کا حقیقی سرپرست قرار دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشادِ گرامی ریاست کے فرائض کی ایک مکمل دستاویز ہے:

أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ، وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ

"میں مومنین کی جانوں سے بھی زیادہ ان کا حق دار ہوں۔ پس مومنین میں سے جو کوئی فوت ہو جائے اور وہ قرض چھوڑ جائے تو اس کی ادائیگی میرے ذمے (یعنی ریاست کے ذمے) ہے، اور جو مال چھوڑے وہ اس کے وارثوں کا ہے۔"[9]

یہ حدیث مبارکہ دراصل اسلامی فلاحی ریاست کا وہ عظیم چارٹر ہے جس نے ریاستی کفالت کے تصور کو قانوناً لازم قرار دیا۔ ریاست نے صرف اپنے شہریوں ہی نہیں بلکہ جنگی قیدیوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک اور ان کی تعلیمی و معاشی بحالی کی جو نظیر پیش کی، وہ آج کے نام نہاد جدید بین الاقوامی انسانی حقوق کے قوانین سے بھی کہیں زیادہ بلند ہے۔ غزوہِ بدر کے قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا، وہ اس کی درخشندہ مثال ہے۔ پڑھے لکھے قیدیوں کو یہ پیشکش کی گئی کہ وہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو یہی ان کا فدیہ تسلیم کیا جائے گا اور انہیں آزاد کر دیا جائے گا[10]۔ یہ اقدام تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرنے اور قیدیوں کو معاشرے کا کارآمد حصہ بنانے کی ایک عظیم حکمتِ عملی تھی۔ ان اقدامات سے ثابت ہوتا ہے کہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فلاحی ماڈل ہمہ گیر، انسانیت نواز اور کثیر المقاصد تھا۔

ریاستِ مدینہ کے معاشی وسائل اور ان کی تقسیم

کوئی بھی مضبوط اور مستحکم فلاحی ریاست اس وقت تک اپنے اہداف حاصل نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کے پاس معاشی وسائل پیدا کرنے اور انہیں منصفانہ بنیادوں پر تقسیم کرنے کا ایک مربوط نظام موجود نہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ریاستِ مدینہ کو معاشی طور پر خود کفیل بنانے اور دولت کو چند ہاتھوں میں مقید ہونے سے روکنے کے لیے نہایت جامع مالیاتی پالیسیاں مرتب فرمائیں۔ ان پالیسیوں کی بنیاد اس اصول پر استوار کی گئی کہ ریاست کی آمدنی کسی مخصوص حکمران یا اشرافیہ کی جاگیر نہیں، بلکہ یہ سراسر اللہ کی امانت ہے جسے معاشرے کی فلاح و بہبود پر ہی خرچ ہونا چاہیے۔

زکوٰۃ کا نظام اس معاشی ڈھانچے کا سب سے اہم اور مستقل ستون تھا۔ اسلام نے زکوٰۃ کو محض ایک رضاکارانہ خیرات قرار دے کر فرد کی صوابدید پر نہیں چھوڑا بلکہ اسے ریاست کا نافذ کردہ ایک لازمی مالیاتی فریضہ بنایا۔ زکوٰۃ کی وصولی کے لیے باقاعدہ عمال مقرر کیے گئے جو مختلف قبائل، شہروں اور دیہاتوں میں جا کر حساب کتاب کے ساتھ زکوٰۃ جمع کرتے تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہیں اسلامی معیشت کا یہ تاریخی اور بنیادی اصول واضح الفاظ میں سمجھایا:

فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ، تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ

"پس انہیں آگاہ کرو کہ اللہ نے ان کے مالوں میں صدقہ (زکوٰۃ) فرض کیا ہے، جو ان کے مالداروں سے لیا جائے گا اور ان کے غریبوں میں لوٹا دیا جائے گا۔"[11]

اس فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بالکل دوٹوک انداز میں واضح کر دیا کہ زکوٰۃ کا بنیادی مقصد دولت کو معاشرے کے متمول افراد سے لے کر کمزور اور محروم طبقات تک پہنچانا ہے۔ زکوٰۃ کی تقسیم کے مصارف قرآنِ مجید نے سورۃ التوبہ میں مستقل طور پر طے کر دیے۔ ان مصارف میں فقراء، مساکین، عاملینِ زکوٰۃ، تالیفِ قلب، غلاموں کی آزادی، قرض داروں کی مدد، فی سبیل اللہ اور مسافروں کی امداد شامل ہیں۔ مصارف کا یہ قطعی تعین اس لیے کیا گیا تاکہ کوئی بھی حکمران ان فنڈز کو اپنی ذاتی مجبوریوں یا عارضی سیاسی مقاصد کے لیے استعمال نہ کر سکے۔

زکوٰۃ کے علاوہ زرعی پیداوار پر عشر وصول کیا جاتا تھا۔ اس کی شرح آبپاشی کے ذرائع کے مطابق انتہائی منصفانہ طور پر طے کی گئی تاکہ کسان پر غیر ضروری بوجھ نہ پڑے۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ جسے خمس کہا جاتا ہے، ریاست کے خزانے میں جمع ہوتا تھا۔ اس مال سے دفاعی ضروریات، یتیموں اور مساکین کی کفالت کی جاتی تھی۔ اسی طرح فے کے مال کے حوالے سے بھی قرآنی حکم کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے غریب مہاجرین کی بحالی کے لیے استعمال فرمایا۔

ریاست کی معاشی پالیسیوں میں منڈی کا استحکام اور تجارتی آزادی بھی شامل تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مدینہ میں ایک آزاد اسلامی بازار قائم فرمایا جہاں تاجروں سے کوئی ٹیکس یا محصول وصول نہیں کیا جاتا تھا[12]۔ اس مارکیٹ میں اجارہ داری، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ،

دھوکہ دہی اور سب سے بڑھ کر سود کی قطعی ممانعت تھی۔ سود غریب کا خون چوسنے والا سب سے بڑا آلہ ہے۔ سود کو حرام قرار دے کر اسلام نے استحصال کے سب سے بڑے دروازے کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ ایک مشہور شعر جو عام طور پر علامہ محمد اقبال کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اگرچہ محققین کے نزدیک یہ ان کے کسی مستند مجموعہ کلام میں موجود نہیں، اس حقیقت کی بڑی عمدہ ترجمانی کرتا ہے:

مقصودِ شرعِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کیا ہے، مجھے معلوم نہیں

یہ مگر جانتا ہوں، سرمایہ داری ہے حرام

خلافتِ راشدہ میں سماجی تحفظ اور بیت المال

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وصالِ مبارک کے بعد، خلفائے راشدین نے ریاستِ مدینہ کے اساسی فلاحی خدوخال کو من و عن برقرار رکھا اور وقت کی ضرورت کے مطابق اسے ایک عظیم الشان، وسیع اور ادارہ جاتی شکل دی۔ خلافتِ راشدہ کا دور بالخصوص سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہد اسلامی فلاحی ریاست کی عملی تنفیذ اور انتظامی ارتقاء کا تاریخ ساز باب ہے۔ اس دور میں ریاست کی معاشی اور سماجی ذمہ داریوں کو ایک منظم، جامع اور آئینی فریم ورک کے تحت دور دراز کے صوبوں تک وسعت دی گئی۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کا آغاز نہایت کٹھن حالات میں ہوا۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف اعلانِ جنگ تھا۔ بظاہر بعض لوگوں نے اسے ایک سخت فیصلہ قرار دیا مگر یہ محض کوئی سیاسی بغاوت کچلنے کا فیصلہ نہیں تھا بلکہ درحقیقت یہ اسلامی فلاحی ریاست کی معاشی بنیادوں کے تحفظ کا عظیم اعلان تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واضح کر دیا کہ زکوٰۃ غریبوں کا حق اور ریاست کا قانونی فریضہ ہے جس پر حالات کی نزاکت کے نام پر بھی کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کا یہ تاریخی فرمان اسلامی معیشت کے ماتھے کا جھومر ہے:

وَاللَّهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ المَالِ

"خدا کی قسم! میں اس شخص سے ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے گا، کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔"[13]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور کثیر اموال مدینہ پہنچنے لگے تو آپ نے بیت المال کو ایک باقاعدہ اور مضبوط ریاستی ادارے کی شکل دی۔ دارالحکومت میں مرکزی خزانہ قائم کیا گیا اور تمام صوبوں میں ذیلی خزانے بنائے گئے۔ ان پر دیانت دار اور ماہر امین مقرر کیے گئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال کے حوالے سے حکمران کی حیثیت کو ایک یتیم کے مال کے امانت دار کے طور پر متعین کیا جو جدید جمہوری تصورات سے کہیں زیادہ کڑا احتسابی معیار ہے۔

عہدِ فاروقی کا سب سے عظیم کارنامہ دیوان یعنی محکمہ رجسٹریشن و مالیات کا قیام تھا۔ یہ دراصل تاریخِ اسلام کی پہلی باقاعدہ مردم شماری اور سوشل سیکیورٹی کا نظام تھا۔ اس نظام کے تحت ہر شہری کا نام اور اس کا وظیفہ ایک باقاعدہ رجسٹر میں درج کیا گیا۔ اس سے جدید دور کے یونیورسل بیسک انکم کے تصور کی عملی جھلک چودہ سو سال قبل ہی دکھائی دے گئی۔ ابتدائی طور پر بچوں کا وظیفہ اس وقت مقرر کیا جاتا تھا جب ان کا دودھ چھڑا دیا جاتا تھا۔ بعد ازاں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر شیر خوار بچے کا وظیفہ اس کی پیدائش کے دن سے ہی بیت المال سے مقرر کر دیا تاکہ کوئی ماں غربت کے خوف سے اپنے بچے کو دودھ پلانے سے محروم نہ رکھے[14]۔

سماجی تحفظ کا یہ فراخدلانہ نظام صرف مسلمانوں تک محدود نہیں تھا بلکہ غیر مسلم اقلیتوں یعنی ذمیوں کو بھی اس میں مساوی حقوق حاصل تھے۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بوڑھے نابینا یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا، اسے گھر لائے، اسے کھانا دیا اور پھر بیت المال کے خازن کو بلا کر حکم دیا کہ نہ صرف اس شخص کا جزیہ معاف کیا جائے بلکہ اس کے لیے اور اس جیسے تمام بوڑھے

غیر مسلم شہریوں کے لیے تاحیات وظیفہ مقرر کر دیا جائے[15]۔ یہ اقلیتوں کے معاشی حقوق کے تحفظ کی وہ روشن مثال ہے جو آج کے مہذب معاشروں میں بھی مشکل سے ملتی ہے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں معاشی خوشحالی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ آپ نے عوام کے وظائف میں مزید سو گنا اضافہ کیا اور بنیادی ڈھانچے جیسے نہروں، مساجد، سڑکوں اور مہمان خانوں کی تعمیر پر خطیر رقم خرچ کی۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور میں درپیش شدید سیاسی بحرانوں کے باوجود بیت المال کی مساویانہ تقسیم کو سختی سے نافذ رکھا۔ آپ خود بازاروں میں کوڑا لے کر گشت کرتے، تاجروں کو ناپ تول میں کمی سے روکتے اور معاشی استحصال کا قلع قمع کرتے۔

اسلامی اور جدید مغربی فلاحی ماڈل ک

جدید مغربی فلاحی ریاست اور اسلامی نظامِ کفالت کا عمیق مطالعہ کیا جائے تو بظاہر ان کے کئی مقاصد مشترک نظر آتے ہیں جن میں غربت کا خاتمہ، روزگار کی فراہمی اور سماجی تحفظ نمایاں ہیں۔ تاہم جب ہم ان دونوں کے فلسفیانہ تصورات، داخلی محرکات اور عملی طریقہ کار کا تجزیہ کرتے ہیں تو ان کے درمیان زمین آسمان کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔

سب سے بڑا فرق ان کی مابعد الطبیعیاتی اور اخلاقی بنیادوں کا ہے۔ مغربی فلاحی ریاست کا تصور ایک خالصتاً مادی اور سیکولر بنیاد پر کھڑا ہے۔ اس کا پورا فلسفہ افادیت پسندی کے گرد گھومتا ہے۔ افادیت پسندی کا بنیادی مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے مادی خوشی کا حصول ہے۔ اس نظریے کے ممتاز شارح جان سٹورٹ مل نے اس فلسفے کی تشریح کچھ یوں کی ہے:

"The creed which accepts as the foundation of morals, Utility, or the Greatest Happiness Principle, holds that actions are right in proportion as they tend to promote happiness, wrong as they tend to produce the reverse of happiness[16]".

اس کے برعکس اسلامی فلاحی نظام کا تصور انسان کی مادی فلاح کو اس کی روحانی پاکیزگی اور اخروی کامیابی کے ساتھ جوڑتا ہے۔ اسلام میں معاشی جدوجہد اور غریبوں کی کفالت محض ایک ریاستی قانون کی پابندی نہیں ہے جسے مجبوری میں ادا کیا جائے، بلکہ یہ ایک اعلیٰ ترین دینی عبادت ہے جس کی انجام دہی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

دوسرا اہم فرق ملکیت اور دولت کے تصور میں پایا جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں فرد کو دولت جمع کرنے اور اسے جس طرح چاہے خرچ کرنے کی بے پناہ آزادی حاصل ہے۔ ریاست جب غریبوں کے لیے وسائل جمع کرنا چاہتی ہے تو اسے امراء پر بھاری ٹیکس عائد کرنے پڑتے ہیں۔ لوگ ان ٹیکسوں کو عموماً ایک ناگوار بوجھ اور ریاستی ڈاکہ سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے ٹیکس چوری ایک عام رجحان بن جاتا ہے۔ اسلام کا تصورِ ملکیت بالکل مختلف ہے۔ اسلام کے نزدیک کائنات کی ہر شے کا حقیقی مالک اللہ ہے اور انسان کے پاس یہ مال بطور امانت ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کسی غریب پر احسان نہیں بلکہ خود اپنے بقیہ مال کو پاک کرنے کا لازمی ذریعہ ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ

"اور وہ لوگ جن کے اموال میں ایک مقررہ حق ہے، مانگنے والے کے لیے اور اس کے لیے جو (سوال کرنے سے) محروم ہے۔"[17]

تیسرا نمایاں فرق عزتِ نفس اور انسانی وقار کے تحفظ کا ہے۔ مغربی ممالک میں جب کوئی غریب شہری بے روزگاری الاؤنس یا فلاحی فنڈ وصول کرنے جاتا ہے تو اسے اکثر ایک سخت اور بعض اوقات تذلیل آمیز جانچ پڑتال کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اسے ثابت کرنا پڑتا ہے کہ

وہ واقعی مفلس ہے۔ اس عمل سے انسان کی عزتِ نفس کچل دی جاتی ہے۔ اسلامی نظام میں زکوٰۃ اور بیت المال کا وظیفہ شہری کا قابلِ فخر حق ہے۔ دینے والے پر سختی سے پابندی عائد کی گئی ہے کہ وہ احسان جتا کر یا اذیت دے کر اپنے صدقات کو باطل نہ کرے۔

یہی وہ مادی کھوکھلا پن تھا جسے علامہ محمد اقبال نے اپنے اشعار میں بے نقاب کیا۔ مغرب کی مادی چمک دمک اور اس کی اندرونی اخلاقی گراوٹ پر تنقید کرتے ہوئے انہوں نے باکمال انداز میں فرمایا تھا:

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب عیار کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا[18]

عصرِ حاضر کے معاشی بحران اور اسلامی کا نظام کفالت

دورِ حاضر کی دنیا ایک عجیب تضاد کا شکار ہے۔ ایک طرف تو ہم سائنسی اور تکنیکی ترقی کی معراج پر کھڑے ہیں، انسان چاند اور مریخ کو تسخیر کر رہا ہے۔ دوسری جانب دنیا کی ایک بڑی آبادی بدترین معاشی عدم توازن، ہوشربا افراطِ زر، بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور خوفناک غربت کا شکار ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے تحت دنیا کی مجموعی دولت کا ایک بہت بڑا حصہ چند بین الاقوامی کارپوریشنز اور گنتی کے افراد کی تجوریوں میں سمٹ چکا ہے۔ اس ارتکازِ دولت نے طبقاتی خلیج کو اتنا گہرا کر دیا ہے کہ غریب طبقے کے لیے خوراک، تعلیم اور صحت کا حصول بھی جوئے شیر لانے کے مترادف ہو گیا ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد جس جدید فلاحی ریاست کا دلفریب ماڈل پیش کیا گیا تھا، آج وہ خود بھاری اندرونی و بیرونی قرضوں اور دائمی بجٹ خساروں کے بوجھ تلے دب کر ہانپ رہا ہے۔ ان پیچیدہ عالمی اور مقامی معاشی بحرانوں کے تناظر میں، اسلامی نظامِ کفالت ایک ایسا متوازن، عادلانہ اور فطری حل پیش کرتا ہے جو انسان کی مادی ضروریات کی کفالت کرنے کے ساتھ ساتھ معیشت کو قرضوں کی دلدل سے بھی بچاتا ہے۔

اسلامی نظامِ کفالت کا سب سے بنیادی، مستقل اور مؤثر آلہ زکوٰۃ کا ادارہ ہے۔ زکوٰۃ کو محض ایک انفرادی خیرات سمجھ لینا بڑی فکری بھول ہے۔ یہ ریاست کا فرض کردہ ایک ایسا منظم مالیاتی میکانزم ہے جو دولت کو معاشرے کے امیر ترین طبقے سے نکال کر بغیر کسی رکاوٹ کے غریبوں، مسکینوں اور معذوروں تک منتقل کرتا ہے۔ جدید دور میں ریاستیں غریبوں کی مدد کے لیے بھی غریبوں پر بالواسطہ ٹیکس لگاتی ہیں یا بین الاقوامی اداروں سے سود پر قرضے لیتی ہیں۔ اس قرضے کا سود چکانے کے لیے دوبارہ عوام کا خون نچوڑا جاتا ہے۔ اسلامی نظام میں زکوٰۃ ایک ایسا داخلی اور خود کفیل فنڈ مہیا کرتا ہے جو معیشت پر بغیر کسی اضافی بوجھ کے محروم طبقات کی دادرسی کرتا ہے۔

اسلام کا معاشی نظام محض دولت کی تقسیمِ نو پر اکتفا کر کے خاموش نہیں ہو جاتا، بلکہ یہ ان اسباب کی جڑیں بھی کاٹ دیتا ہے جو معاشرے میں غربت اور معاشی استحصال کو جنم دیتے ہیں۔ ان اسباب میں سب سے نمایاں سود کی لعنت ہے۔ سود موجودہ سرمایہ دارانہ معیشت کی ریڑھ کی ہڈی بن چکا ہے۔ اس کے ذریعے سرمایہ دار بغیر کسی محنت، پیداواری عمل اور خطرے کے غریب کی کمائی کا بڑا حصہ غصب کر لیتا ہے۔ قرآنِ مجید نے سود کی اس قدر سخت مذمت کی ہے کہ اسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خلاف کھلی جنگ قرار دیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم سچ مچ ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان سن لو۔"[19]

عندما معیشت سے سود کا مکمل خاتمہ ہوتا ہے تو اس کی جگہ مضاربت اور مشارکت کا نظام رائج ہوتا ہے۔ اس نظام میں نفع اور نقصان دونوں میں شراکت ہوتی ہے۔ اس سے سرمایہ دارانہ اجارہ داری ٹوٹ جاتی ہے اور دولت سودی کھاتوں میں جمنے کے بجائے معاشرے میں پیداواری سرگرمیوں میں گردش کرنے لگتی ہے۔ احتکار اور ناجائز منافع خوری کے خلاف اسلامی احکامات مارکیٹ میں اشیائے ضرورت کی قیمتوں کو اعتدال میں رکھتے ہیں جس سے غریب طبقے کی قوتِ خرید براہِ راست مستفید ہوتی ہے۔

دورِ حاضر میں بے روزگاری ایک انتہائی سنگین اور پیچیدہ مسئلہ بن چکی ہے۔ اسلامی فلاحی ریاست کا تصور بے روزگاروں کو محض نقد وظائف دے کر انہیں مستقل بھکاری یا ریاستی خیرات کا عادی بنانے پر یقین نہیں رکھتا۔ اسلامی ریاست کا اصل ہدف فرد کو پیداواری عمل کا حصہ بنانا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھیک مانگنے کی انتہائی سخت الفاظ میں مذمت فرمائی ہے اور محنت کر کے رزق کمانے والے کو اللہ کا دوست قرار دیا ہے۔ ایک مرتبہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں مدد مانگنے حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انہیں کچھ رقم دینے کے بجائے ان کا ایک پیالہ اور کمبل نیلام کیا اور ان پیسوں سے انہیں ایک کلہاڑی خرید کر دی تاکہ وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بیچ سکیں اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں[20]۔ یہ واقعہ جدید دور کی ریاستوں کے لیے ایک بہترین رہنمائی فراہم کرتا ہے کہ فلاحی پروگرامز کا اصل ہدف شہریوں کو معاشی طور پر بااختیار بنانا ہونا چاہیے۔

علامہ محمد اقبال نے مشینوں کی اندھی تقلید اور انسان کو محض پرزہ سمجھنے والی سرمایہ دارانہ ذہنیت پر شدید ضرب لگائی تھی۔ مشینوں کی وجہ سے بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور انسانی قدروں کی پامالی کو انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں کچھ یوں بیان کیا ہے:

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات[21]

موجودہ مسلم ریاستوں میں فلاحی نظام کا نفاذ

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ آج کی مسلم ریاستیں کئی طرح کے کٹھن سیاسی، معاشی اور انتظامی چیلنجز کے گرداب میں پھنسی ہوئی ہیں۔ کرپشن، اقربا پروری، قرضوں کے انبار اور ناقص گورننس نے مسلم ممالک کی معیشتوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ ان تمام تر مایوس کن حالات کے باوجود اگر مخلصانہ ارادہ اور مضبوط سیاسی عزم بیدار ہو جائے تو دورِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور خلافتِ راشدہ کے نظامِ کفالت کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق جدید سانچے میں ڈھال کر نافذ کرنا کوئی ناممکن خواب نہیں ہے۔

سب سے پہلا اور اساسی قدم یہ ہونا چاہیے کہ مسلم ریاستوں کے دساتیر میں فلاحِ عامہ اور سماجی تحفظ کو محض ایک رہنمائی دینے والی ریاستی پالیسی کے بجائے شہریوں کے ایک قابلِ تنفیذ بنیادی حق کے طور پر باقاعدہ تسلیم کیا جائے۔ ریاست کو آئینی اور قانوناً اس بات کا پابند ہونا چاہیے کہ وہ معاشرے کے ہر اس فرد کی کفالت کی سو فیصد ذمہ دار ہے جو یتیم، بیوہ، معذور یا عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے اپنی معاشی ضروریات خود پوری کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔

زکوٰۃ و عشر کے نظام کو روایتی طریقوں سے نکال کر جدید خطوط پر استوار کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ موجودہ دور میں زکوٰۃ کی وصولی کا نظام اکثر مسلم ممالک میں حکومتی سطح پر نہایت کمزور، کرپٹ یا غیر موثر ہے۔ عوام حکومتی اداروں پر اعتماد نہیں کرتے جس کی وجہ سے

لوگ نجی اداروں یا انفرادی سطح پر زکوٰۃ دینا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ریاست کو چاہیے کہ وہ زکوٰۃ کے نظام کو مکمل طور پر شفاف بنائے۔ اسے روایتی اور سست رفتار بیوروکریسی کے شکنجے سے نکال کر جدید ٹیکنالوجی سے منسلک کیا جائے۔ بلاک چین ٹیکنالوجی اور ڈیجیٹل ڈیش بورڈز کا استعمال کر کے ایک ایک پیسے کا حساب عوام کے سامنے رکھا جا سکتا ہے۔ جب عوام کو یہ کامل یقین ہو گا کہ ان کی دی گئی زکوٰۃ کا پیسہ صرف اور صرف قرآن کے بتائے گئے آٹھ مصارف پر خرچ ہو رہا ہے اور اس میں کوئی سیاسی مداخلت یا انتظامی خرد برد نہیں ہو رہی، تو ریاستی زکوٰۃ فنڈ میں حیران کن حد تک اضافہ دیکھنے میں آئے گا۔

اس کے متوازی نظامِ اوقاف کا احیاء ایک ایسا زبردست اور موثر قدم ثابت ہو سکتا ہے جو ریاست کے فلاحی بجٹ پر کوئی نیا بوجھ ڈالے بغیر معاشرے میں انقلاب برپا کر سکتا ہے۔ اسلامی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ صدیوں تک دمشق، بغداد اور اندلس کی عظیم الشان جامعات اور عالیشان ہسپتال صرف اوقاف کی آمدنی سے نہایت کامیابی کے ساتھ چلتے رہے۔ جدید مسلم ریاستوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مخیر شہریوں اور کارپوریٹ سیکٹر کو ترغیب دیں کہ وہ اپنی جائیدادوں، منافعوں، اور کیش وقف کے ذریعے فلاحِ عامہ کے لیے اپنا حصہ ڈالیں۔ ان اوقافی اثاثوں کا انتظام دیانت دار، قابل اور پیشہ ور افراد کے سپرد کیا جانا چاہیے۔ ان کی آمدنی سے غریبوں کے لیے بین الاقوامی معیار کے مفت ہسپتال، تعلیمی ادارے اور یتیم خانے قائم کیے جا سکتے ہیں۔

مستحقین کی درست، شفاف اور بروقت شناخت کسی بھی فلاحی پروگرام کی کامیابی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ جدید ریاستیں اکثر پیچیدہ کاغذی کارروائیوں کے ذریعے مستحقین کی شناخت کرتی ہیں، جس سے پڑھے لکھے نہ ہونے کی وجہ سے کئی حقیقی غریب محروم رہ جاتے ہیں۔ اسلامی نظام اقتدار کی نچلی سطح تک منتقلی پر زور دیتا ہے۔ زکوٰۃ اور فلاحی فنڈز کی تقسیم کا کام وفاقی یا صوبائی دارالحکومتوں کے بجائے مقامی یونین کونسلوں یا محلہ کمیٹیوں کے سپرد کیا جانا چاہیے۔ مقامی لوگ اپنے علاقے کے حقیقی ضرورت مندوں، سفید پوشوں اور مستحقین کو حکومتی بابوؤں سے کہیں بہتر طور پر جانتے ہیں۔ اس طریقہ کار سے فلاحی امداد براہِ راست اور انتہائی باعزت طریقے سے ان دروازوں تک پہنچ سکے گی جنہیں اس کی سب سے زیادہ احتیاج ہے۔

معروف اسلامی ماہر معاشیات ڈاکٹر محمد عمر چھاپرا اس حوالے سے اپنی تفصیلی تحقیق میں بیان کرتے ہیں کہ اسلامی نظامِ معیشت اور فلاح کا اصل مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ریاستی سطح پر اخلاقی اقدار اور قانون کی حکمرانی کا وہ امتزاج قائم نہ کیا جائے جو دورِ سلف کا طرۂ امتیاز تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

"The Islamic vision of development is not just about increasing per capita income, but rather about actualizing human well-being by actualizing the maqasid al-Shari'ah, which includes the enrichment of faith, life, intellect, posterity, and wealth[22] ".

خلاصہ بحث

انسانی تاریخ میں ریاست اور فرد کے تعلق نے مختلف ارتقائی منازل طے کی ہیں۔ جدید مغربی فلاحی ریاست کا تصور جو آج کے دور میں انسانیت کی فلاح کا ایک نمایاں استعارہ سمجھا جاتا ہے، اپنے تمام تر مادی کمالات کے باوجود ان ساختی اور روحانی تضادات سے آزاد نہیں ہو سکا جن کا بیج سرمایہ دارانہ نظام نے بویا تھا۔ اس نظام کی بنیاد خالصتاً مادی ہے اور یہ افادیت پسندی کے اصولوں پر کار فرما ہے، جہاں فلاحی امداد کا مقصد طبقاتی تصادم کو روکنا اور معاشی پہیے کو رواں رکھنا ہے۔ یہ نظام فرد کو معاشی حیوان سمجھتا ہے اور اسے اس وقت تک اہمیت دیتا ہے جب تک وہ منڈی کے لیے پیداواری اکائی بنا رہتا ہے۔ جونہی فرد بوڑھا، بیمار یا معذور ہو جاتا ہے، تو ریاست اسے چند وظائف دے کر معاشرتی دھارے سے الگ کر دیتی

ہے، جس سے اس کی عزتِ نفس اور خاندانی وابستگی شدید مجروح ہوتی ہے۔ مزید برآں، جدید ریاستوں کا یہ ماڈل بھاری ٹیکسوں اور قرضوں پر انحصار کرتا ہے، جس کے باعث یہ طویل مدت میں معاشی طور پر عدم استحکام کا شکار رہتا ہے۔

اس مادی اور سیکولر تصور کے مقابلے میں دورِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور خلافتِ راشدہ کا نظامِ کفالت ایک ایسا الہامی اور جامع ماڈل ہے جو مادی ضروریات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ انسان کی روحانی اور اخلاقی نشوونما کا بھی ضامن ہے۔ اس نظام کی بنیاد توحید، استخلاف اور آخرت کی جوابدہی پر ہے۔ اسلامی فلاحی ریاست میں غریبوں کی کفالت کو حکمران کی صوابدید یا سیاسی مصلحت کے بجائے ایک شرعی فریضہ اور مستحقین کا قطعی حق قرار دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ، عشر، خراج، فے، اور اوقاف کے ذریعے ایک ایسا مستحکم مالیاتی ڈھانچہ قائم کیا گیا جو غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور معذوروں کو مستقل طور پر معاشی تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اس نظام کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ اس نے محض بھوک مٹانے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ "حدِ کفایہ" کا اصول اپنا کر غریبوں کو پیداواری عمل کا حصہ بنایا اور انہیں اس قابل کیا کہ وہ خود کفیل ہو سکیں۔ سیدنا عمر فاروق اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر خلفاء نے اقتدار کو ذاتی جاگیر کے بجائے اللہ کی امانت سمجھا، اور راتوں کو گشت کر کے مستحقین کی دہلیز تک ان کا حق پہنچایا۔ ان کا نظامِ احتساب، مساوات، اور اقلیتوں کے معاشی حقوق کا تحفظ آج کے دور کے تمام انسانی حقوق کے چارٹروں سے کہیں زیادہ وسیع اور ہمدردانہ تھا۔ یہ وہ مثالی نظام ہے جس نے ثابت کر دیا کہ جب تک معاشی وسائل کی تقسیم اخلاقی اقدار اور خوفِ خدا کے تابع نہیں ہوتی، تب تک حقیقی سماجی انصاف اور انسانی وقار کا قیام ناممکن ہے۔ اس تفصیلی جائزے اور تقابلی مطالعے کے بعد درج ذیل نتائج روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئے ہیں:

- اسلامی نظامِ کفالت محض مادی ضروریات کی تکمیل تک محدود نہیں، بلکہ یہ توحید، استخلاف اور آخرت کی جوابدہی کے عقیدے پر استوار ہے، جو فرد کی روحانی اور اخلاقی نشوونما کو بھی یقینی بناتا ہے۔
- جدید فلاحی ریاستیں سرمایہ دارانہ نظام کے تضادات اور بھاری ٹیکسوں پر انحصار کرتی ہیں، جبکہ اسلامی نظام زکوٰۃ، عشر، خراج اور اوقاف پر مبنی ایک مستحکم، خود کفیل اور سود سے پاک مالیاتی ڈھانچہ فراہم کرتا ہے۔
- مغربی ماڈل میں فلاحی امداد کو اکثر ریاستی احسان اور سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جبکہ اسلامی نظام میں یہ مستحقین کا شرعی حق اور حکمران کا ایسا فریضہ ہے جس کی عدم ادائیگی پر اسے آخرت میں جوابدہ ہونا پڑے گا۔
- جدید ریاست کا بیوروکریٹک اور مرکزیت پسند نظام مستحقین کی شناخت میں اکثر ناکام رہتا ہے اور ان کی عزتِ نفس کو مجروح کرتا ہے، اس کے برعکس اسلامی نظام مقامی سطح پر اخوت، ہمدردی اور عزتِ نفس کے تحفظ کے ساتھ براہِ راست مستحقین تک پہنچتا ہے۔
- اسلامی فلاحی نظام غربت کے مستقل خاتمے اور افراد کو معاشی طور پر خود کفیل بنانے (حدِ کفایہ) پر زور دیتا ہے، نہ کہ انہیں مستقل طور پر ریاستی خیرات کا محتاج بنا کر رکھنے پر۔
- خلافتِ راشدہ کا نظامِ کفالت رنگ، نسل اور مذہب کی تفریق سے بالاتر ہو کر تمام شہریوں بشمول اقلیتوں (ذمیوں) کو یکساں سماجی و معاشی تحفظ فراہم کرتا ہے۔

تجاویز و سفارشات

دورِ حاضر کے معاشی بحرانوں، طبقاتی تفریق اور بڑھتی ہوئی غربت کے پیشِ نظر، دورِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور خلافتِ راشدہ کے نظامِ کفالت سے اخذ کردہ اصولوں کی روشنی میں چند اہم تجاویز پیش کی جارہی ہیں، جن پر عمل کر کے عصری ریاستیں ایک حقیقی اور پائیدار فلاحی معاشرہ تشکیل دے سکتی ہیں:

- مقاصدِ شریعہ (دین، جان، عقل، نسل اور مال کے تحفظ) کو ریاستی آئین میں بنیادی انسانی حقوق کا درجہ دیا جائے اور ہر شہری کے لیے خوراک، رہائش، صحت اور تعلیم کی فراہمی ریاست کی قانونی ذمہ داری قرار دی جائے۔
- زکوٰۃ و عشر کے نظام کو سرکاری بیوروکریسی اور سیاسی مداخلت سے آزاد کر کے، بلاک چین جیسی جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے ایک شفاف اور خود مختار ادارہ بنایا جائے، تاکہ رقوم براہِ راست مستحقین تک پہنچیں۔
- فلاحی فنڈز کو صرف عارضی نقد امداد کے بجائے مستقل معاشی بحالی کے لیے استعمال کیا جائے، اور بے روزگار افراد کو چھوٹے کاروبار کے لیے بلاسود قرضے اور پیداواری آلات فراہم کیے جائیں۔
- اوقاف کے تاریخی ادارے کو جدید خطوط پر بحال کیا جائے، جس میں کارپوریٹ سیکٹر کو اپنے منافع کا ایک حصہ وقف کرنے کی ترغیب دی جائے اور غیر فعال سرکاری اراضی کو فلاحی مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے۔
- خاندانی کفالت کے اسلامی تصور کو مضبوط کرنے کے لیے قانون سازی کی جائے، جس میں صاحبِ استطاعت افراد پر اپنے ضعیف والدین اور ضرورت مند رشتہ داروں کی دیکھ بھال لازم قرار دی جائے اور اس عمل پر ٹیکس میں چھوٹ دی جائے۔
- مستحقین کی شناخت کے عمل کو مقامی سطح (یونین کونسلوں اور محلہ کمیٹیوں) پر منتقل کیا جائے تاکہ حقیقی ضرورت مندوں تک امداد با آسانی اور باعزت طریقے سے پہنچ سکے، اور بیوروکریٹک رکاوٹوں کا خاتمہ ہو۔
- ریاستی پالیسیوں میں سود اور ارتکازِ دولت کو روکنے کے لیے ٹھوس اقدامات کیے جائیں، اور دولت کی نچلی سطح تا منصفانہ منتقلی کو یقینی بنایا جائے۔

حوالہ جات

[1] Al-Hashr: 7
[2] Adh-Dhariyat: 19
[3] Esping-Andersen, Gøsta. The Three Worlds of Welfare Capitalism. Princeton: Princeton University Press, 1990, 24
[4] Beveridge, William. Social Insurance and Allied Services. London: HMSO, 1942, 6-8
[5] یوسف، 40:12
[6] الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد. المستصفی من علم الاصول. بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1413ھ، 174:1
[7] الحشر، 7:59
[8] الذاریات، 19:51
[9] البخاری، محمد بن اسماعیل. صحیح البخاری. بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، 93:3، کتاب فی الاستقراض، باب الصلاۃ علی من ترک دیناً، حدیث: 2399
[10] احمد بن حنبل. مسند احمد. قاہرہ: دار الحدیث، 1995ء، 234:3، حدیث: 2216

[11] البخاری، محمد بن اسماعیل. صحیح البخاری. بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، 2:130، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، حدیث: 1395

[12] ابن ماجہ، محمد بن یزید. سنن ابن ماجہ. قاہرہ: دار إحیاء الکتب العربیۃ، بے تاریخ، 2:754، کتاب التجارات، باب أسواق المسلمین، حدیث: 2236

[13] البخاری، محمد بن اسماعیل. صحیح البخاری. بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ، 2:105، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاہ، حدیث: 1399

[14] البیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین. السنن الکبری. بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2003ء، 8:331

[15] ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم. کتاب الخراج. قاہرہ: المطبعۃ السلفیۃ، 1382ھ، 126

[16] Mill, John Stuart. Utilitarianism. London: Parker, Son, and Bourn, 1863, 9

[17] المعارج، 70:24-25

[18] اقبال، محمد. بانگِ درا. لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1982ء، 140

[19] البقرۃ، 2:278-279

[20] السجستانی، ابو داؤد سلیمان بن اشعث. سنن ابی داؤد. صیدا: المکتبۃ العصریۃ، بے تاریخ، 2:120، کتاب الزکاۃ، باب ما تجوز فیہ المسألۃ، حدیث: 1641

[21] اقبال، محمد. بالِ جبریل. لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1982ء، 110

[22] Chapra, M. Umer. The Islamic Vision of Development in the Light of Maqasid Al-Shariah. London: International Institute of Islamic Thought, 2008, 25

IEER
Institute for Excellence in Education & Research